ملک غلام کبریا

بسم اللہ کا مفہوم

ماہنامہ "یاران وطن" اسلام آباد ۹، فروری ۱۹۸۴ء کے شمارہ میں جناب الیس۔ اے اویسی صاحب کا مضمون "بسم اللہ کا مفہوم" شائع ہوا تھا۔ جس کی ابتدائی سطور درج ذیل ہیں:

"یعنی اسم اللہ کا اور جسم میرا، ایمان اور بھروسہ اللہ پر اور عمل میرا، ایک ہاتھ میرا ایک اس کا، اس کا ہاتھ غیب میں باطن میں اور میرا ہاتھ شہود میں"۔

گو یہ سطور بلکہ پورا مضمون ہم جیسے مبتدیوں کی سمجھ سے بالاتر ہے جو اب تک شریعت کی ابجد سے واقف نہیں تو وہ طریقت اور معرفت اور حقیقت کو کس طرح سمجھ سکتے ہیں، لیکن یہ مضمون طالبان علم قرآن کے لئے محرک ضرور ہوا کہ بسم اللہ کے مفہوم تک رسائی حاصل کی جائے چنانچہ امام حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ کے "ترجمہ التفاسیر فراہی" میں یہ اشارہ ملا کہ:

"بسم اللہ میں تب عظمت و برکت اور سند کے مفہوموں کی طرف اشارہ کرتی ہے یہ کلام خبریہ نہیں بلکہ الحمد اللہ کی طرح دعائیہ ہے" ف

اور "اللہ" میں الف لام تعریف کے لئے ہے یہ نام صرف اللہ واحد نہیں بلکہ احدؒ کے لئے مخصوص تھا۔ جو تمام آسمانوں

لہ اللہ واحد نہیں بلکہ اللہ احد ہے اور بہت سے الہوں کے مقابلہ میں الہ واحد فرمایا گیا ہے۔

میر علوی سرائیکی کے باکمال شاعر تھے۔ کافی، غزلیں، ڈوہیری کے فن میں مہارت رکھتے تھے۔ سرائیکی کے نامور شعراء خواجہ فرید، فرخ ملتانی نوروز اور مجروح کے کلام سے متاثر تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان ہی شعراء کے عارفانہ افکار کا اثر ان کے کلام میں ملتا ہے۔ ان کے نظریۂ تصوف و معرفت کا پر تو علوی کے اشعار میں پوری آب و تاب کے ساتھ نمایاں ہے ؎

شوق ملن دا تیا بسیار
منھن ویکاں ٹھن شال صنم دا
احد بدل کر عبد سڈایس
منھن ویکا ہکي ملک منایس
بي خودي دا جام پلایس
وچ عرب دی کر سینگار
کس گڈس آرام عجم دا
اسم احمد بي میم ڈراکي
بین عرب بي عین بجاہکی
لوح قلم سر حکم علاکي
نور احمد بن آیا نوار
کیتس فرق وحدت قدم دا
حسن تبدي دا عالم بردا
تون تھین سرور جن بشر دا
علوی ادنیٰ چاکر در دا
کون مکان دا تون سردار
مالک ملک وجود عدم دا

علوی کے کلام کا بیشتر حصہ عارفانہ ہے۔ سندھی اور سرائیکی شاعری میں ڈوہڑی ایک مخصوص صنف ہے۔ ان دونوں زبانوں کے بڑے بڑے شاعروں نے اس صنف پر خوب خوب طبع آزمائی کی

ہے سرائیکی میں خواجہ فرید کی کافی کی طرح ان کی ڈوہڑی کا بھی کوئی جواب نہیں۔ خواجہ فرید کے تتبع میں بہت کم شاعروں کو کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ ان کم شاعروں میں ایک نام میر علی نواز علوی کا بھی ہے انہوں نے خواجہ فرید کی اتباع میں فخر محسوس کیا ہے خواجہ فرید کے رنگ میں ان کی ڈوہڑی کا یہ انداز دیکھئے

حسن سنجن دا ویک خجل تیا
جلوہ شمس قمر دا حسن بشر دا
محب اسان ڈیہی من دا محرم
جانی جان جگر دا، نور نظر دا
مین مشتاق منی مرسل دا
خاک برابر دا، چاکر در دا
علوی روز الستون ممنون
عشق یگا حیدر دا، شاہ صفدر دا
خوف نہ دل وچ ہرگز مینون
ہول حساب حشر دا، سوز سقر دا

میر علی نواز علوی شکارپوری نے فارسی، سندھی، سرائیکی کے علاوہ اردو میں بھی شاعری کی ہے۔ ان کا عہد برصغیر پاک و ہند میں علم و ادب، تہذیب و ثقافت کے اعتبار سے زریں عہد تھا، ان کے بزرگ، ہم عمر و کم عمر معاصرین میں محمد حسین آزاد، مرزا داغ، امیر مینائی، جلال لکھنوی، شاد عظیم آبادی، الطاف حسین حالی، علامہ شبلی نعمانی، محشر لکھنوی، چکبست لکھنوی، اسمٰعیل میرٹھی، اکبر الہ آبادی اور شائق دہلوی جیسے اکابرین کے نام آتے ہیں وہاں علامہ اقبال، ظفر علی خان، یگانہ چنگیزی، حسرت موہانی مضطر خیرآبادی، اصغر گونڈوی، جگر مرادآبادی، جلیل مانکپوری، نوح ناروی، سیماب اکبرآبادی، وحشت کلکتوی، علامہ سلیمان ندوی اور مولانا ابوالکلام آزاد جیسے مشاہیر اردو کو تاریخ ادب اردو فراموش نہیں کرسکتی۔

اس عہد میں سندھ کے جن شعرائے کرام نے سندھی، سرائیکی فارسی کے علاوہ اردو زبان و ادب کی ترویج و ترقی میں اہم کردار ادا کیا۔ سندھ میں اردو شاعری کی مشعلیں روشن کیں مختلف اصنافِ

یہود نے اللہ کے نام کو ضائع کر دیا لیکن ہم مسلم مومن ہونے کے دعویدار نہ صرف اللہ بلکہ اس کے ساتھ رحمٰن اور رحیم کے الفاظ یعنی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا کس طرح غلط اور بے جا استعمال کرتے ہیں جس سے ان مقدس الفاظ کا تقدس ختم ہو جاتا ہے ذیل کے اقتباسات ملاحظہ فرمائیں:۔

بسم اللہ کی تاریخی حیثیت

امام حمید الدین فراہیؒ علیہ الرحمۃ کے شاگرد رشید الشیخ الفاضل امین احسن اصلاحی صاحب مدظلہ نے لکھا ہے:

"چنانچہ نوح علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید میں یہ نقل ہے کہ انہوں نے اپنے با ایمان متعلقین اور اپنے ساتھیوں کو جب کشتی پر سوار کرایا تو اس وقت اس سے ملتے جلتے الفاظ کہے:

قال ارکبوا فیھا بسم اللہ مجرھا و مرسھا — (اُس نے) کہا کہ اس (کشتی) میں سوار ہو جاؤ اللہ کے نام سے

اِنَّ ربی لغفور رحیم (ھود - ۴۱) — اس کا چلنا اور ٹھہرنا ہے۔ بے شک میرا رب بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے ۱۱ - ۴۱ -

اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ سبا کو جو نامہ لکھا اس کا آغاز بھی انہی مبارک کلمات سے کیا چنانچہ قرآن مجید میں ہے:۔

اِنَّہٗ من سلیمان و اِنَّہٗ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (نمل - ۳۰) — یہ سلیمان کی طرف سے ہے اور اس کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوا ہے۔

کوئی کام کرنے سے پہلے جب یہ دعا ارادہ اور شعور کے ساتھ زبان سے نکلتی ہے تو اول تو پہلے ہی قدم پر انسان کو متنبہ کر دیتی ہے کہ جو کام وہ کرنے جا رہا ہے وہ کام بہر حال خدا کی نافرمانی اور اس سے بغاوت کا نہیں ہونا چاہیئے بلکہ اس کی پسند کے مطابق اور اس کے احکام کے تحت ہونا چاہیئے۔ (تدبر قرآن جلد اول ص۴۳)

قرآن میں اس آیت کی جگہ

اس آیت کے متعلق ایک اہم سوال یہ بھی ہے کہ قرآن مجید میں اس کی اصل جگہ کہاں ہے؟ یہ سوال اس وجہ سے پیدا ہوتا ہے کہ یوں تو یہ ہر سورہ کے شروع میں (سورہ توبہ کے سوا) ایک مستقل آیت کی حیثیت سے لکھی ہوئی ہے لیکن کسی سورہ میں (ماسوائے سورہ نمل) بظاہر اس کے ایک جزو کی حیثیت سے یہ شامل نہیں ہے اس وجہ سے اس امر میں اختلاف ہوا ہے کہ یہ کسی خاص سورۃ کا بھی حصہ ہے یا سورہ کے اوپر یہ صرف بطور ایک تبرک آغاز اور ایک علامت امتیاز کے ثبت ہے (جیسا کہ ہر سورہ پر مکی اور مدنی اور سورہ کے

رکوع اور آیات کی تعداد لکھی ہوتی ہے) مدینہ، بصرہ اور شام کے قراء اور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ "قرآن کی سورتوں میں سے کسی بھی سورہ کی (بشمول سورہ فاتحہ) آیت نہیں ہے بلکہ ہر سورہ کے شروع میں اس کو محض تبرک اور ایک علامت فصل کے طور پر درج کیا گیا ہے۔ اس سے ایک سورہ دوسری سورہ سے ممتاز بھی ہوتی ہے۔ اور قاری جب اس سے کسی سورہ کا افتتاح کرتا ہے تو اس سے برکت بھی حاصل کرتا ہے۔ یہی مذہب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ہے" (تدبر قرآن جلد اول ص) ۔

استدراک اس مندرجہ بالا اقتباس پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کا یہ قول قرآن مجید میں نقل کرنے کے بعد اللہ رب العالمین نے یہ بھی کہیں فرمایا ہے کہ بعد میں آنے والے بھی جب کشتی میں سوار ہوا کریں تو یہ کلمات کہا کریں کہ "اس کشتی پر سوار ہو جاؤ، اس کشتی کا چلنا اور ٹھہرنا اللہ کے نام سے ہے $\frac{11}{41}$ اگر حضرت نوح کا یہ قول جو کہ انھوں نے باایمان متعلقین اور اپنے ساتھیوں کو فرمایا تھا نقل کرنے کے یہ فرمایا ہوتا کہ اترکنا علیہ فی الاخرین $\frac{37}{78}$ تو یہ کشتی پر سوار ہوتے یا بحری جہاز پر سوار ہوتے یہ الفاظ دہرانے ضروری ہوتے سلام علی نوح فی العالمین $\frac{37}{79}$ ۔

لہذا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ بعد میں آنے والے انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتیں یا آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اس کی پابند ہیں کہ جب کشتی یا بحری جہاز پر سوار ہوں تو حضرت نوح کے یہ الفاظ دہرالیا کریں۔ جب کہ معلم صاحبان حاجیوں کو یہ تلقین کرتے ہیں اور کیا کلمات دہرانا اللہ کی پسند کے مطابق اور اس کے کس حکم کے تحت ہے؟

کشتیوں اور چوپایوں پر سواری کے متعلق حکم

بلکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ زخرف آیت ۱۲ میں فرمایا ہے "اور وہ (خالق) جس نے سب چیزوں کے جوڑے خلق کئے اور تمھارے لئے کشتیاں اور چوپائے بنائے جن پر تم سوار ہوتے ہو $\frac{43}{12}$ تاکہ تم ان کی پیٹھوں پر جم کر بیٹھو پھر اپنے رب کی نعمت یاد کرو اور کہو پاک ہے وہ ذات جس نے ان چیزوں کو ہماری خدمت میں لگا دیا۔ اور ہم تو ان کو قابو میں کر لینے والے نہیں تھے (الزخرف آیت ۱۳) اور بیشک ہم اپنے رب کی طرف لوٹنے والے ہیں $\frac{43}{14}$ و $\frac{17}{1}$ ۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلوی نے موضح القرآن میں لکھا ہے کہ اس سفر سے سفر آخرت یاد کرو۔ حضرت سوار سوار ہوتے تو یہی تسبیح کرتے۔ مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب سفر میں تشریف لے جاتے تو اپنے ناقہ پر سوار ہوتے وقت الحمد للہ پڑھتے پھر یہ آیت پڑھتے سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنا مقرنین

٤٣/١٣ اگر کوئی ایسی روایت ہے کہ رسول اللہ بسم اللہ مجرھا ومرسھا پڑھتے تھے تو یہ غلط روایت منسوب الی الرسول ہے اس لئے کہ سورہ الزخرف آیت ۱۲ میں پہلے من الفلک (کشتیاں) کا لفظ ہے اس کے بعد و الانعام ما ترکبون فرمایا ہے۔ نص صریح ہے کہ کشتیوں پر سوار اور چوپایوں پر تسبیح کی جائے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے تابع تھے اس لئے حضور اکرمؐ کا کوئی قول اور عمل قرآن حکیم کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

تفسیر صافی صفحہ ۴۵۴ پر بحوالہ کافی امام رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب تم کسی جانور کی پیٹھ پر سوار ہو تو کہا کرو الحمد للہ الذی سخرلنا الخ پڑھا کرو اور آپ کے والد بزرگوار امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ اگر سوار ہو کر خشکی پر چلو تو یہ آیت پڑھا کرو جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی سبحان الذی سخرلنا ھذا (القرآن المبین صفحہ ۵۸۵) معروف سواریاں یہ عام کے بعد دو خاص چیزوں کا ذکر فرمایا کہ وہی خدا ہے جس نے تمہارے لئے کشتیاں اور چوپائے پیدا کئے جن پر تم سوار ہوتے ہو۔ قرآن کے زمانہ نزول میں خشکی اور تری کی یہی سواریاں معروف تھیں اس وجہ سے انہی کا ذکر ہوا۔ اب سائنس کی برکت سے ان سواریوں کی فہرست بہت طویل ہو گئی ہے لیکن وہ سب انہی کے تحت ہیں۔ اس لئے کہ جس سائنس کی مدد سے انسان ان کا موجد بنا ہے وہ خدا ہی کی ودیعت کردہ ہے (تدبر قرآن جلد ششم صفحہ ۲۱۲)۔

مکتوب حضرت سلیمانؑ

حضرت سلیمان علیہ السلام نے جو مکتوب ملکہ سبا کو لکھا تھا۔ اور اس نامہ کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے ہوا ہے لیکن اس سے یہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ ہم بھی اپنے نجی خطوط میں بسم اللہ لکھا کریں خواہ اس خط کا مضمون حقیقت پر مبنی نہ ہو اور نہ ہی یہ انضباط ہوتا ہے کہ ہم اپنی تقریروں سے پہلے بسم اللہ کہیں خواہ وہ تقریر سیاسی یا مذہبی نوعیت کی ہو۔ اور اس طرح کسی دستاویز پر بھی بطور تبرک بسم اللہ لکھ دینا بھی ہمارا اپنا فعل اللہ الرحمٰن الرحیم کا نہیں ہے۔ سورہ البقرہ کی آیت ۸۲ میں لین دین کے معاملہ کو لکھنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے اور اس دستاویز پر ہر دو گواہوں کا بھی حکم ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ لکھنے والا کاتب یا وثیقہ نویس عدل سے لکھے لیکن یہ نہیں فرمایا کہ ہر دستاویز پر بطور تبرک بسم اللہ ہی لکھی جائے۔ اور یہ سراسر اللہ رب العالمین کی نافرمانی اور اس کے حکم سے بغاوت ہے کہ جعلی دستاویزوں پر بھی بسم اللہ لکھا دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ غلط نقوں پر بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی ہوئی موجود ہے۔ اس طرح ان پاک الفاظ کا غلط استعمال کیا گیا اور کہا جاتا ہے جیسا کہ بصرہ کے قاضی شریح نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے خلاف جو غلط فتویٰ دیا تھا۔ اس پر بھی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لکھا ہوا ہے (ملاحظہ ہو ہفت روزہ لیل و نہار کراچی ١٩ اپریل ١٩٧٠ء صلا بحوالہ جواہر الکلام ص٨٨ از آقائے حلبی مرزا حسنین)
اس سے بھی زیادہ قابل نفرین یہ ہے کہ بعض رنگین شاعر نے بھی اپنے گندے اور بدبو دار اشعار کی ابتداء میں بسم اللہ الرحمن الرحیم سے پاک کلمات لکھ کر ان الفاظ کے تقدس کو پامال کرنے کا جرم کیا ہے۔

پہلی وحی — اللہ تعالیٰ سے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو پہلی وحی نازل ہوئی تھی وہ سورہ العلق کی ابتدائی پانچ آیات اقراء باسم ربک الذی خلق سے لے کر علم الانسان مالم یعلم تک ہے پہلی آیت میں لفظ اقراء ہے۔ جس کا ترجمہ کیا جاتا ہے "پڑھ اپنے رب کے نام سے" اس ترجمہ سے ایک طالب علم اور قاری کے ذہن میں یہ سوال اٹھتا ہے کہ وہ کون سی کتاب یا کوئی تحریر تھی جس کو پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور آیت دو میں ہے کہ انسان کو علق سے پیدا کیا۔ تیسری آیت میں دوبارہ اقراء آیا ہے اور چوتھی آیت میں علم بالقلم فرمایا ہے اور پانچویں آیت میں ہے کہ انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا ٩٦/٥ ان آیات مقدسہ میں کسی کتاب یا کسی تحریر کا اشارہ تک نہیں ہے جس کو پڑھنے کے لئے دوبار فرمایا گیا ہے اقراء کے معنی اعلان کرنے کے بھی ہیں کہ اپنے رب کی ربوبیت کا اعلان کرو ٩٦/١ اس کے ساتھ یہ بھی غور طلب ہے کہ سورہ العلق کی پہلی آیت میں لفظ اللہ کی بجائے ربک ہے اس لئے کوئی کتاب یا تحریر پڑھنے سے پہلے بسم اللہ نہیں بلکہ باسم ربی یا باسم ربنا کہنا چاہیئے۔

قرأت قرآن کے لئے تعوذ

سورہ النحل کی آیت ٩٨ میں اللہ رب العالمین نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا ہے لیکن اس میں ہر قاری قرآن بھی مخاطب ہے "پس جب تم قرآن پڑھو تو شیطان رجیم سے اللہ کی پناہ مانگو ١٦/٩٨ اس آیت کی ہدایت میں فاذا قرأت القرآن کے الفاظ ہیں۔ اس کے بعد یہ نہیں فرمایا کہ قرآن پڑھنے سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کہا کرو اور سورہ مومنون کی آیات ٩٧، ٩٨ میں تعوذ بھی بتا دیا ہے۔ "اور (اے مخاطب) کہو (یعنی دعا کرتے رہو کہ) اے میرے رب میں شیطان کی عیب جوئی سے تیری پناہ چاہتا ہوں ٢٣/٩٧ اور میرے رب میں تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ (شیطان) میرے سامنے آئیں ٢٣/٩٨۔

معوذتین — مندرجہ بالا آیات میں تو قرأت قرآن کے لئے تعوذ تھا۔ اس کے علاوہ دو سورتیں معوذتین بھی نازل فرمائیں کہ (اے مخاطب) کہو میں صبح کے رب کی پناہ مانگتا ہوں ١١٣/١ ہر چیز کے شر سے جو پیدا کی گئی ہے ١١٣/٢ اور تاریک رات کے شر سے جب وہ سمٹ آئے۔ (پناہ چاہتا ہوں ١١٣/٣) اور عزیمتوں میں پھونکنے والوں کے شر سے بھی (پناہ) ١١٣/٤ طالب جوہری مدظلہ نے فرمایا ہے کہ ان چار قسم کے شر سے بچنے کے لئے صرف رب الفلق کی ٤٠

اور سورہ الناس میں یہ دعا سکھائی گئی ہے کہ کہو میں لوگوں (نوع انسان) کے رب کی پناہ چاہتا ہوں۔ ۱۱۴/۱ نوع انسان کے بادشاہ کی (پناہ) ۱۱۴/۲ انسانوں کے الٰہ (اللہ) کی (پناہ) ۱۱۴/۳ سواس کے شر جو چھپ جائے (پناہ مانگتا ہوں) ۱۱۴/۴ جو لوگوں کے سینوں میں وسوسے ڈالتا ہے ۱۱۴/۵ (جو) جنوں اور انسانوں میں ہے (ان سب سے پناہ مانگتا ہوں) ۱۱۴/۶ طالب جوہری نے فرمایا ہے کہ وسواس کے شر سے بچنے اور پناہ حاصل کرنے کے لئے رب الناس اور ملک الناس اور الٰہ الناس کے پناہ کی ضرورت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تین بالقوہ اور بالفعل قدرتوں کی پناہ چاہیئے اس لئے کہ تمام قوت اللہ کے لئے ہے۔ ۲/۱۶۵، ۱۱/۵۲، ۱۸/۳۹، ۴۱/۱۵، ۵۱/۵۸۔

غور فرمایا جائے کہ مندرجہ بالا تعوذ اور معوذتین جو خالق حقیقی کا فرمودہ ہے اس کے باوجود دانستہ یا دانستہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ہر موقع بے موقع بے جا استعمال اور دہراتے رہنے کا حکم نہیں۔ اور قرآن حکیم کی سورتوں پہ بطور تبرک بسم اللہ لکھ کر ہم اللہ تعالیٰ کے فرمان کے خلاف بغاوت و نافرمانی کے مرتکب ہو رہے ہیں کہ نہیں؟ اور نہ معلوم کب اور کس دور میں یہ بدعت فروغ ہوئی کہ نہ صرف معوذتین پر بلکہ سب سورتوں پر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا اضافہ کرکے ہر سورت کا جزو بنا دیا گیا۔ جو قرآن عظیم الشان کی عظمت اور اس کے مجد و شرف کے منافی ہے اس لئے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم صرف ایک سورت النحل کی آیت ہے اور کسی بھی سورہ قرآنی کا جزو نہیں بخاری و مسلم میں مروی ہے کہ "حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما نماز (یعنی صلوٰۃ) الحمد للہ رب العالمین سے شروع فرماتے تھے"۔ (حاشیہ ترجمہ بریلوی) یعنی سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں کہتے تھے۔ اور الحمد للہ رب العالمین کے ۱۹ حروف ہیں جو کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا نعم البدل ہے اس کے بعد الرحمٰن الرحیم کے الفاظ ہیں۔